نہ صرف محبّت کرے، بلکہ ان کی فکری و روحانی بالیدگی اور ارتقاء کے لیے سعی وجہد بھی کرے۔ پوری بنی نوع انسان کے درمیان بھائی چارے اور اخوت کی طرف اشارہ رسولِ مقبول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قولِ مبارک میں ملتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْھَدُ اَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَ اَنَّ الْعِبَادَ کُلَّھُمْ اِخْوَۃٌ۔

"اے پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور یہ کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔"

(۴) انسانوں کے ساتھ خیر خواہی اور انہیں ایمان و اسلام کی طرف بلانے کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبّت کی جائے اور حسنِ سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ ان کے لیے روحانی بالیدگی کی خواہش و عزم کسی طور بھی ان کے ساتھ نفرت سے میل نہیں کھاتے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے:

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط (بنی اسرائیل: ۵۳)

"اور میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ایسی بات کریں جو اچھی ہو۔"

اسی طرح کلام پاک میں ایک اور جگہ بُرائی کے بدلے اچھائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ۔ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۴)

"جواب میں وہ کہو جو اُس سے بہتر ہو۔ پھر (تم دیکھ لوگے کہ) تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ ایسا ہو جائے گا گویا کہ گرمجوش دوست ہے۔"

خوش خلقی اور حسنِ سلوک کو دعوتِ دین کے ضمن میں بھی پیشِ نظر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۃ النحل کی آیت ۱۲۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ (النّحل: ۱۲۵)

"بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے سے اور اُن

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ایسے طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو۔"

(۵) مسلمانوں یعنی اہلِ ایمان کو یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہیے کہ کسی پر کوئی عقیدہ ٹھونسا جا سکتا ہے اور نہ کسی کے دل میں کسی نصب العین سے بالجبر محبت کے جذبات پروان چڑھائے جا سکتے ہیں۔ نصب العینی محبت آزاد مرضی اور آزادی کے ماحول میں ہی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہم زبردستی کسی کے دل میں کوئی عقیدہ یا محبّت پیدا نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے اس حقیقت کا اظہار واشگاف الفاظ میں اِن الفاظِ قرآنیہ میں کر دیا ہے:

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ‌ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ‌ۚ

(البقرۃ:۲۵۶)

"دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ہے، بیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔"

(۶) افکار کی قوّت اسلحے کی قوت سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ کہ بالآخر وہی نظریہ حیات ہر جگہ غالب آ کر رہے گا جو عقلی اور سائنسی بنیادوں پر استوار ہو۔ چنانچہ ایک صاحبِ ایمان کو اپنے دین کی اشاعت اور غلبے کے لیے دوسرے نظریاتِ حیات سے خواہ مخواہ مخاصمت مول نہ لینی چاہیے۔ ایک اسلامی ریاست اپنی حدود کے اندر غیر مسلموں کو مکمل تحفّظ اور مذہبی آزادی فراہم کرتی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات مسلمانوں کو اپنی ریاست میں رہنے والے غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری اور امن و آشتی کا حکم دیتی ہیں۔ انہیں اپنے مذہب کے مطابق عمل کی آزادی دینا مسلمان مملکت کا فرض ہے۔

وہ حالات جن میں جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے

لیکن اپنی جگہ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کوئی باطل نظریہ بہت منہ زور اور جارحانہ ہو جائے اور لوگوں کو طاقت کے بل پر کفر پر ابھارے، تو پھر مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کے خلاف کھڑے ہو جائیں اور اس کی سرکوبی کریں۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ اگرچہ کوئی صاحبِ ایمان کسی دوسرے غیر مسلم شخص سے نفرت نہیں کرتا، لیکن اگر وہ اپنے باطل نظریات کو بالجبر پھیلاتا ہے اور دوسرے لوگوں کو حق سے برگشتہ کرتا ہے یا حق کی طرف آنے سے روکتا ہے تو پھر مسلمان کا خاموش تماشائی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

بنے رہنا صرف منافقت کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ وہ صاحب ایمان ہوتے ہوئے اپنی پوری طاقت سے اس باطل کو دبانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ لوگ حق کی دعوت سن کر آسانی سے اس کی طرف آسکیں اور اپنی روحانی تسکین و بالیدگی (ارتقار) حاصل کر سکیں اور اس سلسلے کے تمام موانع دُور ہو سکیں۔ انہی حالات میں وہ جہاد کا علم بلند کرتا ہے اور اللہ تعالےٰ کی جانب سے سرکشوں کی سرکوبی کر کے بنی نوع انسان کی حق کی طرف پیش قدمی کو آسان بناتا ہے۔ اسلام صرف کشور کشائی یا مالِ غنیمت کے لیے جنگ کے خلاف ہے، لیکن جب باطل حق کا راستہ روکے تو پھر یقیناً مسلمانوں کو باطل قوتوں سے ٹکرانے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں آنحضور صلعم اور آپ کے صحابہ کرام کی سیرت و کردار کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ (الفتح : ۲۹)

"محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسُول ہیں۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت (مگر) آپس میں رحم دل ہیں۔"

مسلمانوں کی یہی کیفیت سورۃ المائدۃ میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ؕ (المائدۃ : ۵۵)

"نرم دل ہیں اہلِ ایمان پر (جبکہ) زبردست ہیں کافروں پر، جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور نہیں ڈرتے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔"

ان آیاتِ مبارکہ میں مسلمانوں کی ان کفّار پر سختی کا ذکر ہے جو فقہی اصطلاح کے مطابق حربی کافر ہوں، یعنی وہ اپنے غلط نصب العینوں کے ضمن میں بہت متشدّد ہوں اور دوسروں کو بھی جبر کے ساتھ اپنے راستے پر چلنے پر زور دیں گویا اس طرح یہ کفّار از خود حق کو مسلّح تصادم کی دعوت دیتے ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس قسم کے کسی کافر کے ساتھ دلی محبّت و الفت کا رشتہ نہ رکھے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی اپنے دین کے ساتھ وابستگی ڈھیلی اور مشکوک ہے۔ کفّار اور غلط نظریات رکھنے والوں کے ساتھ قلبی تعلق اور بھائی چارہ باطل کے

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ساتھ ساز باز کے مترادف ہوگا، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کا مطلب حق کے مقابلے میں باطل نظریات اور قوتوں کے ساتھ تعاون ہوگا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ج

(آل عمران: ۲۸)

"اہلِ ایمان مومنین کو چھوڑ کر (ان کے بجائے) کفار کو اپنا ولی وغم خوار نہ بنائیں۔"

مزید برآں سورۃ المائدۃ کی دوسری آیت میں حکم دیا گیا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص

(المائدہ: ۲)

"اور نیکی اور پرہیز گاری (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی (کے کاموں) میں تعاون نہ کرو۔"

مسلم ریاست میں بھی جملہ غیر مسلموں کے جان ومال کی حفاظت اور مذہبی آزادی کی ذمّہ داری اسی وقت تک نبھائی جاتی ہے جب تک وہ ریاست کے مفادات کے خلاف برسرِ پیکار نہ ہوں یا اپنے نظریات کی دعوت وتبلیغ صرف اپنے اہلِ مذہب میں کریں۔ تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ باطل نظریاتِ حیات کی اکثریت حق کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے خلاف سرگرمِ عمل ہو جاتی ہے اور یہی چیز تاریخ میں ادیان اور نظریات کے درمیان مسلسل آویزش کا سبب بنی ہے۔ اگر کہیں جنگ ختم ہوئی بھی ہے تو اس پُر امن وقفے کو زیادہ بڑے پیمانے کے تصادم کے لیے تیاری میں صرف کیا گیا ہے۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ حق یعنی راست نظریۂ حیات کو مجبوراً غلط نظریات کی ریشہ دوانیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانا پڑتے ہیں۔ لیکن اس تصادم اور کشمکش میں ہمیشہ دینِ حق کو ہی فتح نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہی وہ نظریۂ حیات ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور انسان کے مادی وروحانی ارتقاء کی ضمانت دیتا ہے۔ حق وباطل کے درمیان کشمکش اور تصادم کا اشارہ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں ملتا ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط

(الانبیاء: ۱۸)

© rasailojaraid.

"بلکہ ہم تو حق کو باطل پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر کچل ڈالتا ہے۔ پھر وہ اسی دم ملیا میٹ ہو جاتا ہے"۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (بنی اسرائیل: ۸۱)

"اور (اے پیغمبر) اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل نیست و نابود ہوا۔ بیشک باطل تو نیست و نابود ہی ہونے والا ہے"۔

باطل نظریات کی بنیادیں چونکہ کمزور ہوتی ہیں، اس لیے وہ کبھی بھی انسانوں پر اپنا تسلّط قائم نہیں رکھ سکتے۔ جہاں کہیں بھی باطل کا غلبہ ہوتا ہے، تھوڑے ہی عرصے میں لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور علمِ بغاوت بلند کر کے اس کے زوال و انحطاط کا باعث بنتے ہیں۔

اسلام اور انسانی ارتقاء

© rasailojaraid.com

سطورِ بالا میں چونکہ مَیں نے لفظ 'ارتقاء' کا استعمال متعدّد بار کیا ہے، اس لیے اس کے ضمن میں قدرے وضاحت ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ارتقاء کا تصوّر اسلام میں نیا نہیں ہے۔ قرآن کی پہلی آیت کے مطابق اللہ تمام عالمین کا ربّ یعنی مربّی و پالنہار ہے۔ اسی طرح وہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا ربّ بھی ہے۔۔۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ تاہم ترقی پذیری اور ارتقاء کے اصُول از رُوئے قرآن وہ نہیں ہیں جو ڈارون یا دوسرے مادیّت پسند مفکّرین نے تنازع للبقاء یا فطری انتخاب کی صُورت میں بیان کیے ہیں۔ ارتقاء کے پیچھے اصل کارفرما اصُول یا قوّت مشیّتِ ایزدی کی ہے۔ خدا کی بنیادی صفات میں سے صفتِ ربوبیت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مرضی کے مطابق مختلف مخلوقات کو ارتقائی منازل سے گزار کر اپنی اعلیٰ ترین حالت تک لے جاتا ہے۔ ڈارون اور ہکسلے کے مقابلے میں فرانسیسی مفکّر برگساں کا فلسفۂ تخلیقی ارتقاء قرآن کے نظریۂ ارتقاء کے زیادہ قریب ہے۔ برگساں نے چونکہ اپنا فکر انتہائی معقول مسلّمات پر استوار کیا ہے اس لیے وہ میکانکی ارتقاء کے مقابلے میں زیادہ قابلِ فہم اور قرینِ قیاس ہے۔ چنانچہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ قدیم اور جدید دونوں ادوار کے بعض اہم مسلمان مفکّرینِ قرآن ارتقائی نقطۂ نظر کے حامل ہیں مثلاً جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) ابن مسکویہ

© rasailojaraid.com

(متوفی ۴۲۱ھ کتاب الفوز الاصغر)، رومی، اقبال، طنطاوی وغیرہ۔ قرآن میں وارد شدہ قصۂ آدم پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال تشکیلِ جدیدِ الٰہیاتِ اسلامیہ میں یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

"لہٰذا قرآن مجید نے ہبوطِ آدم کا ذکر کیا تو یہ بیان کرنے کے لیے نہیں کہ کرۂ ارض میں انسان کا ظہور کس طرح ہوا۔ اس کے پیشِ نظر حیاتِ انسانی کا وہ ابتدائی دور ہے جب اس پر جبلّی خواہشات کا غلبہ تھا اور جس سے گزر کر اس نے رفتہ رفتہ محسوس کیا کہ وہ اپنی ذات میں آزاد اور اس لیے شک اور نافرمانی دونوں کا اہل ہے۔" (صفحہ ۸۵)

اسی طرح کرۂ ارضی میں انسان کے ظہور پر بحث کرتے ہوئے علامہ اقبال سورۃ الواقعہ کی مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ نقل کرتے ہیں:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ○
عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ○
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ○

(الواقعۃ: ۶۰-۶۲)

"ہم ہی نے تم میں موت کو مقدر کر رکھا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں اس سے کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور ایک اور ہستی میں جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کھڑا کریں۔ اور تم جان چکے ہو (اپنی) پہلی پیدائش کو، پھر سبق کیوں نہیں لیتے؟"

آگے چل کر علامہ لکھتے ہیں:

"لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی نشأۃ الاولیٰ کیوں کر ہوئی۔ ہم نے ابھی چند آیات کا حوالہ دیا تھا۔ ان کے آخری حصے میں جن حقائق پر توجہ دلائی گئی ہے یہ انہی کا نتیجہ تھا کہ فلاسفۂ اسلام کی آنکھوں میں حقیقت کی ایک نئی جھلک عیاں ہوگئی۔ جاحظ (متوفی: ۲۵۵) پہلا شخص ہے جس نے ان تغیّرات کی طرف اشارہ کیا جو نقل مکانی، علیٰ ہذا ماحول کے زیرِ اثر حیوانات کی زندگی میں بالعموم رونما ہوجاتے ہیں۔ آگے چل کر جاحظ کے ان نظریات کو اس حلقے نے جو 'اخوان الصّفا' کے نام سے مشہور ہوا مزید وسعت دی۔ ابن مسکویہ (متوفی: ۴۲۱ھ) پہلا مسلمان مفکّر ہے جس نے انسان کے مبدا و مصدر کے بارے میں ایک واضح اور متعدد پہلوؤں سے ایک

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

جدید نظریہ پیش کیا۔ بعینہٖ یہ بھی ایک قدرتی امر تھا، علیٰ ہٰذا قرآن کی روح کے عین مطابق کہ رومی بقائے دوام کے مسئلے کو ارتقائے حیات ہی کا ایک مسئلہ ٹھہراتا، کیونکہ ہم اس کا فیصلہ صرف مابعد الطبیعی دلائل کی بنا پر نہیں کر سکتے جیسا کہ بعض فلاسفۂ اسلام کا خیال تھا۔ لیکن پھر عصرِ حاضر میں تو اس نظریے سے زندگی کے بارے میں امید و وثوق اور ذوق و شوق کی بجائے مایوسی اور افسردگی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس دَور نے بغیر کسی دلیل کے یہ فرض کر لیا ہے کہ ہم انسان اپنے ارتقاء کی جس منزل میں ہیں اسے نفسیاتی یا عضویاتی جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے ہمارے ارتقاء کی آخری منزل ہے۔ لہٰذا بحیثیت ایک حادثۂ حیات کے موت میں کوئی تعمیری پہلو مضمر نہیں۔ در اصل عصرِ حاضر کو آج ایک رومیؒ کی ضرورت ہے جو دلوں کو زندگی، امید اور ذوق و شوق کے جذبات سے معمور کر دے۔

مولانا رومیؒ کے یہ اشعار کس قدر بے نظیر ہیں۔

"آمدہ اوّل بہ اقلیم جماد — وز جمادی در نباتی او فتاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد — وز جمادی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چوں بحیوانی فتاد — نامدش حالِ نباتی ہیچ یاد
جُز ہماں میلے کہ دارد سوے آں — خاصہ در وقتِ بہارِ ضیمراں
ہم چنیں اقلیم تا اقلیم رفت — تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت
عقلہائے اولینش یاد نیست — ہم ازیں عقلش تحوّل کردنیست"

بحث کے اس مرحلے پر قاری کے ذہن میں اُبھرنے والے چند سوالات کے جواب میں بھی اختصار کے ساتھ دُوں گا۔ پہلا اہم ترین سوال جو ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسالت کی غرض و غایت یا سبب کیا ہے؟ اور یہ کہ آخر کس بنیاد پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بعض کو اس منصبِ جلیلہ پر فائز کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ نبوّت و رسالت کے اجراء کا تعلّق کائنات میں جاری ارتقائی عمل سے ہے اس لیے خود اس کی توجیہہ بھی عمومی انسانی ارتقاء کے اغراض و مقاصد اور اسباب و علل کو سمجھے بغیر ممکن نہیں۔

۱۔ ارتقائ کے اسباب

جیسا کہ سطور بالا میں تصریح کی جا چکی ہے ارتقاء کا اصل سبب خالق کائنات کی مشیت ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جو کائنات میں ایک لہر کی طرح جاری و ساری ہے۔ یہی ارادہ و مشیت کائنات کو مختلف ارتقائی مراحل سے گزار کر اکمل ترین مرحلے تک پہنچاتا ہے۔ شعور کی یہ لہر یا یہ قوتِ ارادہ حیوانی سطح تک زندگی، جوشِ حیات (برگساں کے الفاظ میں) یا شعور تک محدود رہتا ہے۔ انسانی سطح پر یہ فرائڈ کے الفاظ میں 'لیبیڈو' کی شکل اختیار کر لیتا ہے، لیکن فی الحقیقت یہ جنسی تحریکات اور خواہشات کا محور نہیں بلکہ حسنِ ازلی اور کمالِ ذات کے حصول کا خواہاں ہے اور اس کا ظہور نصب العین سے محبّت کی شکل میں ہوتا ہے۔

چونکہ کائنات کے ارتقا میں بھی بالعموم کمالِ ذات کی طرف رجحان ہے اس لیے حیوانوں کی سطح پر اس خواہشِ کمال کا مظہر حیاتیاتی اعتبار سے مکمّل ترین ذی حیات نوع یعنی انسان کی آمد ہے۔ خواہشِ کمال انسانی سطح پر ایک ایسے مکمّل انسانی معاشرے کی تشکیل پر ابھارتا ہے جو اکمل ترین نظریۂ حیات پر استوار ہو اور نفسیاتی اور اخلاقی ہر دو اعتبارات سے جامع اور مکمّل ہو۔

© rasailojaraid.c

بقیہ: کاروانِ حدیث

4۔ ابن عساکر، تاریخ ابن عساکر ج 3 ص 279

5۔ ذہبی تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 204

6۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج 11 ص 56

7۔ احمد بن خلکان، وفیات الاعیان ج 2 ص 383

8۔ نواب صدیق حسن خاں، اتحاف النبلاء ص 387

9۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب ج 9 ص

10۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ ج 2 ص 208

11۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین ص 121

12۔ سید محمد انور شاہ العرف الشذی ص 4

13۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ ج 1 ص 121

14۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین ص 121

© rasailojaraid.c

طاہر سعید کے نام (۱)

پشاور سے تعلق رکھنے والے ہمارے ایک دوست ڈاکٹر حافظ محمد مقصود صاحب جو خود بھی نہایت صالح نوجوان ہیں کا اپنے ایک صالح فطرت دوست طاہر سعید صدیقی کے نام ایک فکر انگیز مفصل خط جسے دین کیلئے تڑپ رکھنے والوں کیلئے ایک نمائندہ خط قرار دیا جا سکتا ہے

سچی بات تو یہ ہے کہ ذلت و نکبت اور ظلمت و جہالت کے اس دورِ فریب میں بھی مخلص و بے غرض بندگانِ خدا کی ایک ایسی معتد بہ تعداد موجود ہے جو قرآن و سنت کی کبریائی اور تقدیسِ حرم کی پاسبانی کے لیے پروانہ وار مرمٹنے سے بھی نہیں چوکتے۔ مگر خلط و اختلاط اور تلبیس و التباس کے اس زمانے میں جبکہ تہذیبِ جدید کا شیطان اجتماعی طور پر ع "تہذیب کا کمال، شرافت کا ہے زوال" کے مصداق اپنی پوری قوت کے ساتھ مسندِ اقتدار پر براجمان ہو کر مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ...... لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ (الشعراء آیت ۲۹) ترجمہ: "اگر میرے سوا کسی کو خدا مان لیا تو تمھیں قید و زندان کی راہ دکھا دوں گا" اور مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (القصص آیت ۳۸) —— ترجمہ: "میں اپنے سوا تمھارے کسی دوسرے خدا کو نہیں جانتا" کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے (بشرطیکہ وہ مسلمان رہنا چاہتا ہو) جینا اگر ناممکن نہیں تو مشکل سے مشکل تر ضرور ہو گیا ہے۔ جہاں شرافت کی غریبی اور شرارت کی گرم جوش پذیرائی کا بڑا طنطنہ اور دبدبہ ہے اور دورِ حاضر کے ایک زندہ اسکالر اور تفسیر "تدبرِ قرآن" کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحی کے بقول

> "ہمارے سامنے بھی ایک دنیا ہے جو فسق و فجور سے بھری ہوئی ہے جس کے سارے افکار و نظریات یکسر باطل اور نفس پرستانہ ہیں خدا پر ایمان یا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے یا موجود ہے تو اس میں صد ہا رخنے ہیں۔ اللہ، رسول اور آخرت کا اقرار نہیں بلکہ انکار دین بن چکا ہے۔ اور یہ دین انکار و الحاد پشت پر نہایت زبردست فلسفے رکھتا ہے اس کی ترویج و اشاعت کے لیے بڑے بڑے کالج اور بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہیں۔ نہایت وسیع الاثر قوت ہے اور سب سے بڑھ کر نہایت ہی طاقتور سیاسی اقتدار ہے جو تمام امر و نہی کا واحد

© rasailojaraid.com